مکاتیب نبوی کا ادبی پہلو

ڈاکٹر خورشید رضوی

یہ بات سب کو معلوم ہے کہ فصاحت وبلاغت اہل عرب کا طرہ امتیاز تھا جس پر انہیں بہت ناز تھا۔ انہیں ان کے عجز کا احساس دلانے کے لئے اللہ تعالی نے خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم المعجزات یعنی قرآن حکیم عطا فرمایا جس کی فصاحت وبلاغت نے ان زباں آوروں کو گنگ کر دیا چنانچہ قرآن نے للکار کر ان سے کہا۔

"وان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا فاتوا بسورۃ من مثلہ وادعوا شھداء کم من دو ن اللہ ان کنتم صدقین (۱)"

"اور اگر تم اس چیز کے بارے میں جو ہم نے اپنے بندے پر نازل کی ہے کسی شک میں ہو تو پھر اس جیسی ایک سورت بنا لاؤ اور اللہ سے ہٹ کر تمہارے جو گواہ ہوں انہیں بلاؤ، اگر تم سچے ہو"۔

اور ساتھ ہی یہ فرما کر اس امکان کی قطعیت کے ساتھ نفی کر دی کہ:

"فان لم تفعلوا ولن تفعلوا فاتقوا النار التی وقودھا الناس والحجارۃ اعدت للکفرین "(۲)

"پھر اگر تم یہ نہ کر سکو۔ اور ہرگز نہیں کر سکو گے۔ تو پھر اس آگ سے ڈرو جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں اور جو کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے"

معجزات انبیاء علیھم السلام کے سلسلے میں ایک نکتہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ جس قوم کو جس چیز پر بہت ناز ہوتا ہے پیغمبر کے ہاتھوں اسی میں اس کے عجز کو نمایاں کیا جاتا ہے۔ چنانچہ قرآن کی بے مثل فصاحت وبلاغت کے حوالے سے قاضی ابوبکر محمد بن الطیب الباقلانی (م ۴۰۳ ھ) اپنی مشہور تصنیف "اعجاز القرآن" میں فرماتے ہیں:

".....حیر ھم فیہ، اذ کان من جنس القول الذی زعموا انھم ادرکوا فیہ النھایۃ، و بلغوا فیہ الغایۃ، فعرفوا عجزھم، کما عرف قوم عیسی نقصانھم فیما قدروا من بلوغ اقصی الممکن فی العلاج، والوصول الی اعلی مراتب الطب، فجاء ھم بما بھرھم: من احیاء الموتی، وابراء الاکمہ والابرص، وکما اتی موسی بالعصا التی تلقفت ما دققوا فیہ من سحرھم ....."(۳)

"اس کے بارے میں انہیں ورطہ حیرت میں ڈال دیا کیونکہ یہ اسی جنس کلام پر مشتمل تھا

جس کے متعلق انہیں زعم تھا کہ وہ اس کی غایت وانتہا کو پہنچ چکے ہیں ۔ چنانچہ ان کا عجز انہیں معلوم ہو گیا جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قوم کو اپنا نقص اس میدان میں معلوم ہو گیا تھا جس میں ان کو ہر ممکن حد تک قدرت حاصل ہو چکی تھی یعنی علاج معالجہ اور طب کے اعلیٰ مراتب تک رسائی ۔ حضرت عیسیٰ نے ان کے سامنے مردوں کو زندہ کرنے اور مادر زاد اندھے اور کوڑھی کو شفا بخشنے کی وہ صورت پیش کی کہ وہ ششدر رہ گئے یا جس طرح حضرت موسیٰ وہ عصا لائے جس نے ان کے جادو کو ' جس میں وہ بڑی باریکیوں تک پہنچ چکے تھے ' اچک لیا ......"

زباں آوران عرب کسی کی بات اس وقت تک سننا گوارا ہی نہیں کرتے تھے جب تک اس کا کلام اپنی قوت وشوکت سے ان کی سماعتوں کو بزور اپنی طرف مبذول نہ کر لے ۔ چنانچہ "العی ش" یعنی عجز بیان ان کی نظر میں بہت بڑا عیب تھا ۔ کامل مبرد میں بیان ہوا ہے کہ شعر میں وزن کو پورا کرنے کے لئے بھرتی کے الفاظ لانا یا نثر میں سلسلہ کلام کو یاد کرنے کے لئے بھرتی کے جملے ڈالنا مثلاً "سنا آپ نے" "سمجھے آپ" "صاحب کس خیال میں ہیں" وغیرہ ' ان کے نزدیک عیب کلام تھا جس کا نام "استعانت" تھا یعنی غیر متعلق چیزوں سے مدد لینا ۔ گفتگو کے دوران انگلیوں کو توڑنا مروڑنا یا داڑھی پر ہاتھ پھیرنا یا بار بار کھانسنا کھنکارنا بھی اسی ذیل میں شمار ہوتے تھے ۔ چنانچہ ایک شاعر نے ایک مقرر کی ہجو کرتے ہوئے کہا ہے :

ملی ببھر والتفات وسعلتہ ومسحتہ عثنون وفتل الاصابع

"بار بار اس کی سانس پھولنے لگتی ہے ' مڑ کر ادھر ادھر دیکھتا ہے ' کھانستا ہے داڑھی کھجاتا ہے اور انگلیوں کو بل دیتا ہے" (۴)

اس تمہید کا مقصد یہ واضح کرنا تھا کہ یہ قوم جس کے نزدیک قدرت کلام ہی انسانی وقار کا سب سے بڑا پیمانہ تھا اور جس کی تادیب ذہنی کے لئے قرآن مجید جیسی بلیغ کتاب نازل فرمائی گئی اس قوم میں جس نبی امی --- فداہ ابی وامی --- کو مبعوث کیا گیا اس کا طلاقت لسانی اور فصاحت بیانی سے متصف ہونا کس قدر ناگزیر تھا ۔ چنانچہ خالق انسان اور معلم بیان نے یہ اہتمام فرمایا کہ نبی عربی ' صلی اللہ علیہ وسلم کو سب عربوں سے بڑھ کر فصاحت عطا کی ۔ کلام الٰہی کے بعد عربی زبان میں فصاحت وبلاغت کا سب سے اونچا معیار حدیث نبوی کے وہ حصے ہیں جن میں

روایت باللفظ کا اہتمام ممکن ہو سکا ہے - خود نبی اکرم ' صلی اللہ علیہ آلہ وسلم ' کی زبان مبارک سے اس حقیقت کا اظہار ' بطور تحدیث نعمت ' ان الفاظ میں مروی ہے :

" انا افصح العرب بید (۵)انی من قریش فنشات فی بنی سعد"

"میں عرب کا فصیح ترین فرد ہوں کہ میرا تعلق قریش سے ہے اور میری پرورش بنو سعد میں ہوئی ہے"

جاحظ نے کتاب البیان والتبیین میں بعض ایسے جملے نقل کئے ہیں جو پہلی بار زبان مبارک سے ادا ہوئے اور پھر ضرب المثل کی سی حیثیت اختیار کر گئے (۶) مثلاً :

الان حمی الوطیس

لاینتطح فیہ عنزان

لایلسع المومن من حجر مرتین

پھر حضور کی فصاحت وبلاغت پر نہایت بلیغ گفتگو کی ہے اور آپ کے بعض ایسے فرمودات نقل کئے ہیں جن میں کمال جامعیت کے ساتھ بہت کم الفاظ میں بہت وسیع معانی سموئے گئے ہیں مثلاً

الناس کلهم سواء کاسنان المشط

المراء کثیر باخیہ

الید العلیا خیر من الید السفلی

اور یہی وہ فرمودات ہیں جو آنحضور کے قول "اعطیت جوامع الکلم" کی تفسیر ہیں -

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فصاحت وبلاغت کی یہ شان آپ کی احادیث ' خطبات اور مکاتیب ' سب میں نمایاں نظر آتی ہے - اس حقیر سی تحریر میں صرف آخر الذکر یعنی مکاتیب نبوی ------ علی صاحبها الصلوۃ والسلام ------ کے ادبی پہلو کا ایک طائرانہ جائزہ لینے کی کوشش کی جائے گی -

دنیائے ادب میں تمام اہم شخصیات کے مکاتیب کو خصوصی اہمیت دی جاتی ہے کیونکہ ان میں

ان شخصیات کی بہت گہری پر تین کمال برجستگی سے سامنے آجاتی ہیں ۔ تاہم نبی امی صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے مکاتیب گرامی کی سطح بنیادی طور پر مکاتیب کی عمومی صنف سے الگ اور ممتاز ہے آپ نے نہ کبھی ہاتھ میں قلم تھاما نہ محض ذاتی احوال کی تفصیل کے لئے خطوط لکھوائے اور نہ قدرت کلام کے مظاہرے کی غرض سے عبارت آرائی فرمائی ۔ آپ کے خطوط انتہائی ضرورت کے تحت بالعموم بہت مختصر لیکن نہایت موثر پیرایہ بیان میں اظہار مطلب سے عبارت ہیں ۔ اور یہی اس عظیم ہستی کے شایان شان بھی ہے جس کا ہر لفظ قانون کی حیثیت رکھتا ہو ۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے بقول :

" تاریخ نے ایسے کوئی دو ڈھائی سو خطوط محفوظ کئے ہیں جو آنحضرت ، صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف قبائلی شیوخ ، صوبہ جاتی افسروں ، اور ہمسایہ حکمرانوں کے نام تحریر فرمائے تھے" (۷) ۔

ڈاکٹر نثار احمد فاروقی نے یہ تعداد ڈھائی سو سے زائد(۸) اور مولانا سید محبوب رضوی نے تین سو کے قریب بتائی ہے (۹) ۔ ان میں سے چھ مکتوب اپنی اصل صورت میں دریافت بھی ہو چکے ہیں ۔ ان کے بارے میں مشرق ومغرب کے محققین نے رق (parchment) کی کیفیت ، عربی رسم الخط کی تاریخ ارتقاء اور دیگر قرائن کے پیش نظر مختلف آراء کا اظہار کیا ہے (۱۰) تاہم واضح رہے کہ اختلاف صرف اس بات میں ہے کہ کیا یہ دریافت شدہ چمڑے یا جھلی کے ٹکڑے جن پر یہ مکاتیب درج ہیں واقعی عین وہی ہیں جو آنحضرت نے لکھوا کر ارسال فرمائے تھے یا بعد کے زمانے میں کسی نے مکاتیب نبوی کی عبارت ان پر نقل کرکے انہیں اصل دستاویز مشہور کر دیا ۔ ورنہ جہاں تک مکاتیب نبوی کے متون کا تعلق ہے وہ مختلف روایات کے ساتھ عہد بہ عہد ، مشہور مصادر علمی میں محفوظ چلے آرہے ہیں مثلاً:

محمد بن اسحاق (م ۱۵۱ھ) کی السیرۃ النبویۃ

امام ابو یوسف (م ۱۸۲ھ) کی کتاب الخراج

امام سعد (م ۲۳۰ھ) کی الطبقات

الجاحظ (م ۲۵۵ ھ) کی البیان والتبیین

امام بخاری (م ۲۵۶ ھ) کی الجامع الصحیح

امام مسلم (م ۲۶۱ھ) کی صحیح مسلم

البلاذری (م ۲۷۹ ھ) کی فتوح البلدان

امام نسائی (م ۳۰۳ ھ) کی کتاب السنن

ابن جریر طبری (ج ۲۱۰ ھ) کی تاریخ الامم والملوک

ابن عبدربہ (م ۳۲۸ ھ) کی العقد الفرید

ابو الفرج الاصفہانی (م ۳۵۶ ھ) کی کتاب الاغانی

قاضی عیاض (م ۵۴۴ھ) کی الشفاء

سہیلی (م ۵۸۱ ھ) کی الروض الانف

یاقوت الحموی (م ۶۲۶ھ) کی معجم البلدان

عزالدین ابن الاثیر (م ۶۳۰ھ) کی "الکامل فی التاریخ" "اور اسد الغابتہ"

ضیاء الدین ابن الاثیر (م ۶۳۷ھ) کی المثل السائر

ابن قیم (م ۷۵۱ھ) کی زاد المعاد

القلقشندی (م ۸۵۱ھ) کی صبح الاعشی

ابن حجر العسقلانی (م ۸۵۲ھ) کی الاصابتہ

ابن طولون (م ۹۵۳ھ) کی اعلام السائلین

ابوالحسن الحلبی (م ۱۰۴۴ھ) کی السیرتہ الحلبیتہ

الزرقانی (م ۱۱۲۲ھ) کی شرح المواھب

مکاتیب نبویؐ کے ادبی پہلو پر گفتگو کرتے ہوئے یہ بات ایک مرتبہ پھر دہرا دینی مناسب ہو گی کہ ان میں عام ذاتی اور نجی ادبی خطوط کی سی تفصیلات اور جزئیات کی تلاش نہایت نامناسب ہو گی۔ ان مقدس مکاتیب میں اگر کچھ ایسے خطوط مل بھی جائیں جن کا موضوع ذاتی کہلا سکتا ہے تو ان کی سطح بھی ذاتی نہیں رکھی گئی بلکہ ان کے مندرجات کو عمومی واجتماعی سطح تک اٹھا کر معیاری رویوں کی تلقین کا ذریعہ بنایا گیا ہے۔ مثال کے طور پر حضرت معاذ بن جبل کے بیٹے کی وفات پر ان کے نام حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا تعزیت نامہ جس کا متن یوں مروی ہے:

" من محمد رسول اللہ الی معاذ بن جبل:

سلام علیک ' فانی احمد الیک اللہ الذی لا الہ الاھو ' اما بعد

فعظم اللہ لک الاجر ' والھمک الصبر ' ورزقنا ' ایاک الشکر '

ثم ان انفسنا واھلینا وموالینا من مواھب اللہ السنیتہ '

وعوارفہ المستودعتہ ' نمتع بہا الی اجل معدود ' ونقبض لوقت

معلوم ' ثم افترض علینا الشکر اذا اعطی ' الصبر اذا ابتلی '

وکان ابنک من مواھب اللہ الھنیتہ ' وعوارفہ المستودعتہ ' متعک

بہ فی غبطتہ وسرور ' وقبضہ منک باجر کثیر : الصلاتہ والرحمتہ

الھدی ' ان صبرت واحتسبت ' فلاتجمعن علیک یا معاذ خصلتین :

ان یحبط جزعک صبرک ' فتندم علی مافاتک ' فلو قدمت علی ثواب

مصیبتک ' قد اطعت ربک ' وتنجزت موعودہ ' عرفت ان المصیبتہ قد

قصرت عنہ ' اعلم ان الجزع لایرد میتا ' ولا یدفع حزنا '

فاحسن الجزا وتنجز للوعود ' ولیذھب اسفک ماھو نازل بک فکان قد" (۱۱)

اللہ کے رسول محمد کی طرف سے معاذ بن جبل کے نام

سلام علیک ' میں تمہارے ساتھ اللہ کی حمد کرتا ہوں ' وہ کہ جس کے سوا ہرگز کوئی معبود نہیں۔

اما بعد ' اللہ تمہیں اجر عظیم عطا فرمائے اور تمہارے دل کو صبر آشنا کرے اور ہمیں اور تمہیں توفیق شکر ارزانی فرمائے۔ دیگر یہ کہ ہماری جانیں اور اہل و عیال اور دوست احباب سب اللہ کی بخشی ہوئی گراں قدر نعمتیں ہیں اور اس کے احسانات ہیں جو امانت کی صورت ہمارے پاس

ہیں ۔ اور ایک میعاد معین تک ہمیں ان سے بہرہ اندوز ہونے کا موقع دیا جاتا ہے اور ایک وقت مقرر پر وہ ہم سے لے لی جاتی ہیں ۔ پھر یہ کہ اس نے ہم پر شکر لازم کیا ہے بصورت عطا اور صبر بصورت ابتلا ۔ تمہارا فرزند بھی اللہ کی بخشی ہوئی انہی نعمتوں اور امانت جیسے احسانات میں سے ایک تھا ۔ اللہ نے تمہیں اس کی خوشیاں دکھائیں اور پھر اجر کثیر یعنی رحمت و ہدایت ـــــ کے عوض اسے تم سے لے لیا بشرطیکہ تم صبر اختیار کرو اور اللہ سے اجر کی امید رکھو سو اے معاذ ' زنہار دوھری محرومی نہ خرید لینا (یعنی محرومی اولاد اور محرومی ثواب) مبادا جزع فزع تمہارے صبر کو برباد کر دے اور بالآخر تمہیں اپنی محرومی پر ندامت ہو ۔ اگر تمہاری توجہ اپنی مصیبت کے اجر کی طرف اس انداز میں رہی کہ تم اپنے پروردگار کی اطاعت میں لگے رہے اور اس کی جناب میں اس کا وعدہ پورا فرمانے کی استدعا کرتے رہے تو تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ مصیبت اجر کے مقابلے میں کم تھی ' یاد رکھو کہ رونے دھونے سے مرنے والا واپس نہیں آ جایا کرتا اور نہ غم غلط ہوتا ہے سو خوبی جزا کے لئے کوشاں رہو اور (ثواب) موعود کے طلب گار بنو اور جو چیز خود تم پر وارد ہونے والی ہے ۔ (یعنی موت) ـــــ اس کے پیش نظر تمہارا افسوس مٹ جانا چاہئے کیونکہ سمجھو کہ وہ اب آئی اور اب آئی "۔

اس خط کی پیغمبرانہ شان بڑی واضح ہے جو انسان کو موت سے ماورا دیکھنے کے لائق بناتی ہے۔ لیکن اس کا اسلوب کسی واعظ خشک کے وعظ کی طرح درد مندی کے احساس سے عاری نہیں بلکہ اس کی عبارت میں اولوالعزمی کا درس درد مندی ہی کے خمیر میں گندھا ہوا ہے ۔

مکتوب کی زبان اور اسلوب ' ایجاز واعجاز اور سادگی وپرکاری کے اس مرتبہ عالی پر فائز ہے جسے فصاحت اپنا منتہی اور بلاغت اپنا آئینہ معیار قرار دے سکتی ہے۔ عربیت کا ذوق رکھنے والے دیکھ سکتے ہیں کہ یہ چھوٹے چھوٹے جملے کتنے بڑے بڑے مطالب کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہیں اور کیسے موتی سے الفاظ کس خوبصورتی اور سلیقے سے عبارت میں جڑے ہوئے ہیں ۔ سادہ مگر پر مغز سہل مگر ممتنع کسی اور زبان میں کیونکر سمجھایا جائے کہ "افترض علینا الشکر اذا اعطی والصبر اذا ابتلی " میں جوامع الکلم کی شان جامعیت کس طرح آشکار ہے اور " ولیذهب اسفک ماهو نازل بک وکان قد" کے گنے چنے الفاظ میں کتنے تہ بہ تہ معانی کس قدر بھرپور تاثر کے ساتھ

گندھے ہوئے ہیں۔
جاحظ نے البیان والتبیین میں فصاحت نبوی کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے بجا طور پر لکھا ہے:

"وانا اذکر بعد ھذا فنا اخر من کلامہ (ص) وھو الکلام الذی قل عدد حروفہ وکثر عدد معانیہ وجل عن الصنعۃ ونزہ عن التکلف وکان ' کما قال اللہ تبارک وتعالی قل یا محمد وما انا من المتکلفین"۔ (۱۲)

"اس کے بعد میں حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے کلام کے ایک اور اسلوب کا ذکر کرتا ہوں یہ وہ کلام ہے جس کے حروف کی تعداد بہت کم اور معانی کی مقدار بہت زیادہ ہے۔ یہ تصنع سے بری ہے اور تکلف سے پاک۔ اللہ تبارک وتعالی کے اس قول کے عین مطابق کہ اے محمد کہہ دو "وما انا من المتکلفین" (۱۳) میں تکلف اختیار کرنے والوں میں سے نہیں ہوں"(۱۳)

بلاغت کی مختصر ترین تعریف ' کلام کا مقتضائے حال کے مطابق ہونا ہے۔ یعنی جہاں اختصار کا موقع ہو وہاں اختصار سے کام لینا اور جہاں تفصیل کا تقاضا ہو وہاں تفصیل اختیار کرنا۔ تکرار بے سبب سے طبیعتوں میں اکتاہٹ پیدا نہ کرنا لیکن اگر موقع اور موضوع تکرار ہی کا مطالبہ کرتا ہو تو اس سے گریز نہ کرنا نیز مخاطب کے مزاج اور اس کی عقل کے مطابق کلام کرنا۔

مکاتیب نبوی بلاغت کے ان معیاروں کے لئے مثالی حیثیت رکھتے ہیں۔ ہر مکتوب مقتضائے حال کے عین مطابق ہے۔ جہاں اختصار کی ضرورت ہے وہاں ایک حرف زائد نہیں مثلاً" جب مسیلمہ کذاب نے دعوائے نبوت کیا تو بزعم خویش سہیم رسالت ہو کر حضور سے بٹوارہ کرنا چاہا اور لکھا:

"من مسیلمۃ رسول اللہ الی محمد رسول اللہ

" سلام علیک اما بعد فانی قد اشرکت فی الا مر معک وان لنا نصف الارض والقریش نصف الارض ولکن قریشا قوم یعتدون"(۱۴)

" اللہ کے رسول مسیلمہ کی طرف سے اللہ کے رسول محمد کی طرف سلام علیک ' اما بعد واضح ہو کہ مجھے آپ کے ساتھ شریک معاملہ بنا دیا گیا ہے آدھی زمین ہم دونوں کی ہے اور آدھی قریش

کی لیکن قریش اپنی حدود سے تجاوز کرنے والے لوگ ہیں"

مسیلمہ کی اس لن ترانی کے جواب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حد درجہ مختصر جواب لکھوایا:

" بسم اللہ الرحمن الرحیم

من محمد رسول اللہ الی مسیلمہ الکذاب

سلام علی من اتبع الھدی ' اما بعد فان الارض للہ یورثھا من یشاء

من عبادہ والعاقبتہ للمتقین" (۱۵)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ کے رسول محمد کی طرف سے مسیلمہ کذاب کے نام ' سلامتی ہو اس پر جس نے ہدایت کی پیروی اختیار کی ' اما بعد ' واضح ہو کہ زمین اللہ کی ہے ' اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اس کا وارث بناتا ہے اور انجام انہی کا اچھا ہوگا جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں"

اس مختصر سی تحریر میں سرزنش کا صرف ایک لفظ "الکذاب" ـــــ اور وہ بھی اس مناسبت سے کہ مسیلمہ نے اپنے نام کے ساتھ رسول اللہ لکھا تھا اور اللہ کے سچے رسول کو اس کی نفی کرنا لازم تھا۔ باقی سارے مکتوب کی سطح قلہ کہسار کی طرح بلند ہے جو خاک اگندہ سنگ ریزوں کی سطح پر اتر ہی نہیں سکتا۔ نہ سوال نہ جواب نہ دعویٰ نہ دلیل۔ ایک عمومی پیرایہ بیان ہے اور ایک اصولی بات اور وہ بھی قرآن کے الفاظ میں۔ ما ینطق عن الھویٰ کے اس عظیم پیکر نے اپنی طرف سے کچھ کہا ہی نہیں لیکن خطاب کئے بغیر ہی مسیلمہ کی یاوہ گوئی کا جواب از خود فراہم ہو گیا۔ عدم تخاطب کے ذریعے جواب مسکت کا یہ انداز مسیلمہ کی بے بضاعتی اور بے حیثیتی کا وہ بھرپور تاثر پیدا کرتا ہے جو جواب تلخ سے ہرگز پیدا نہیں ہو سکتا تھا۔ سرزنش کا واحد لفظ "الکذاب" بھی خطاب راست کی صورت میں نہیں بلکہ تعریض غائبانہ کے اسلوب میں ہے۔

اختصار کے موقع پر کمال اختصار کی اس مثال کے پہلو بہ پہلو ان دستاویزوں پر بھی نظر ڈالئے

جن میں حضور کی جانب سے کسی معاہدے کی شرطیں لکھوائی گئی ہیں یا مختلف گروہوں کے حقوق وفرائض کی وضاحت فرمائی گئی ہے۔ ان دستاویزوں کی حیثیت چونکہ قانونی ہوتی ہے لہذا ان میں بلاغت کا تقاضا رمز و کنایہ نہیں بلکہ وضوح کامل ہے جس کے لئے بسا اوقات ہر ہر شق میں یکساں الفاظ کی تکرار ضروری ہوتی ہے۔ مدینہ میں قیام پذیر ہو جانے کے بعد آپ نے مہاجرین' انصار اور یہود مدینہ کے لئے جو معاشرتی ضوابط وضع فرمائے ان پر مشتمل دستاویز کا ایک حصہ ملاحظہ ہو:

المهاجرون من قريش على رباعتهم يتعاقلون بينهم ' وهم يفدون عانيهم بالمعروف والقسط بين المومنين وبنو عوف على ربا عتهم يتعاقلون معاقلهم الاولى ' وكل طائفة تفدى عانيها بالمعروف والقسط بين المومنين ـ وبنو ساعدة على رباعتهم يتعاقلون مما قلهم الاولى ' وكل طائفة مبهم تفدى عانيها بالمعروف والقسط بين المومنين وبنوالحرث على رباعتهم يتعاقلون معاقلهم الاولى ' وكل طائفة تفدى عانيها بالمعروف والقسط بين المومنين ـ (14)

وعلیٰ ہذا القیاس نو گروہوں کے لئے یکساں احکام اجمالاً بیان کرنے کے بجائے نام بنام یکساں تفصیل کے ساتھ دہرائے گئے ہیں۔ کیونکہ عربوں کی قبائلی حمیت کے پیش نظر نیز خود نوعیت کلام کے اعتبار سے مقتضائے حال یہی تھا۔ اس نوع کی دستاویزوں میں حضور کا اپنا نام نامی بھی متکلم کے بجائے بصیغہ غائب لایا گیا ہے جو قانونی نوعیت کے وثائق کے عین حسب حال ہے مثلاً محولہ بالا دستاویز کے یہ جملہ دیکھئے:

"وانكم مهما اختلفتم فيه من شئی فان مرده الى الله عزوجل والى محمد" (۱۷)

"وانه لايخرج منهم احد الا باذن محمد" (۱۸)

کلام بمقتضائے حال کا ایک اور پہلو مخاطب کی سطح ذہنی کو مد نظر رکھنا ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مکاتیب گرامی میں اس پہلو کی بھی پوری رعایت نظر آتی ہے۔ مثلاً جب خطاب کسی ٹھیٹھ عرب سے ہے تو جزالت الفاظ اور فخامت اسلوب' لغات عرب پر اقتدار کامل کی دلیل بن کر سامنے آتی ہے اور آج نہ صرف اہل عجم کو بلکہ خود عربوں کو بھی ان مکاتیب کا مفہوم تفسیر الغریب کے بغیر سمجھنا محال ہے کیونکہ اس میں خطاب ان عرب العرباء سے تھا جن کا محاورہ و روز مرہ اسی سطح کا تھا اور جو حضور علیہ الصلوۃ والسلام سے آغاز کلام اسی اسلوب میں کیا کرتے تھے۔

مثال کے طور پر ضیاء الدین ابن الاثیر نے اپنی شہرہ آفاق تصنیف "المثل السائر" میں طہفہ بن ابی زہیر کا وہ خطاب نقل کیا ہے جو قبیلہ بنو نہد کے نمائندہ کی حیثیت سے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا۔ یہ خطاب غرائب لغت سے پر ہے۔ پھر اسی کے جواب میں آپ نے دعا فرمائی نیز جو تحریر بنو نہد کے نام لکھوا کر دی وہ بھی ضیاء الدین ابن الاثیر نے نقل کی ہے جو ٹھیٹھ عربیت کا پر زور نمونہ ہے (۱۹) بعد ازاں یوں تبصرہ کیا ہے:

"وفصاحۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تقتضی استعمال ھذہ الالفاظ ولا تکاد توجد فی کلامہ الا جوابا" لمن یخاطبہ بمثلھا کھذا الحدیث وماجری مجداہ ' علی انہ قد کان فی زمنہ متداولا بین العرب ولکنہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یستعملہ الا یسیرا" لا نہ اعلم بالفصیح والافصح (۲۰)رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فصاحت ان الفاظ کے استعمال کی متقاضی نہ تھی اور اس طرح کے الفاظ آپ کے کلام میں عموماً" اس وقت پائے جاتے ہیں جب آپ کسی ایسے شخص کو جواب دے رہے ہوں جس نے آپ سے ایسے ہی الفاظ میں خطاب کیا ہو مثلاً" یہی گفتگو یا اسی طرح کے دیگر مواقع۔ مزید براں یہ بھی ہے کہ آپ کے زمانے میں یہی عربوں کا روز مرہ تھا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کم کم ہی برتا ہے کیونکہ آپ کو خوب علم تھا کہ فصیح کیا ہے اور زیادہ فصیح کیا ہے"۔

ٹھیٹھ عربوں سے اس طرز تخاطب کے مقابلے میں غیر عرب مخاطبین ' جن کو صرف مضمون مکتوب کی ترجمانی سے غرض ہے ' سے آپ کا خطاب سیدھے سادھے انداز میں چند ٹھوس پیغامات پر مشتمل ہوتا ہے مثال کے طور پر دیکھئے نجاشی شاہ حبشہ ' ہرقل شاہ روم 'کسریٰ شاہ ایران ' اور مقوقس شاہ مصر کے نام آپ کے نامہ ہائے مبارک جو تقریباً" یکساں عبارت پر مشتمل ہیں۔

جہاں جہاں فرق ہے مخاطب کی شخصیت ہی کے حوالے سے ہے مثلاً" نجاشی کے نام خط میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اسلامی عقیدے کا مختصر لیکن موثر بیان جس کے الفاظ یوں مروی ہیں " ...... واشھد ان عیسی بن مریم روح اللہ وکلمتہ القاھا الی مریم البتول الطیبتہ الحصنیتہ ' فحملت بعیسی ' معلمتہ روحہ وننفخہ کما خلق ادم بیدہ وننفخہ وانی ادعوک الی اللہ وحدہ لاشریک (۲۱)

"اور میں گواہی دیتا ہوں کہ عیسیٰ بن مریم ' روح اللہ اور کلمتہ اللہ ہیں جس کا القاء اللہ نے گوشہ نشین ' پاکباز اور عفت ماب مریم پر کیا سو عیسیٰ نے ان کے بطن میں قرار پکڑا یہ قرار روح الٰہی اور نفخ الٰہی کے سبب سے تھا جس طرح آدم کو اللہ نے اپنے ہاتھ اور نفخ سے خلق فرمایا تھا۔ اور میں تمہیں اللہ کی طرف بلاتا ہوں جو ایک ہے اور اس کا ہرگز کوئی شریک نہیں"۔ یعنی حضرت عیسیٰ و حضرت مریم علیہما السلام کے بارے میں اہل اسلام عزت واحترام کے جذبات رکھتے ہیں ' نجاشی کے اس وقت کے عقیدے کی مناسبت سے ان کا ذکر فرمایا اور ساتھ ہی اسلام کو توحید پر جو اصرار ہے اور شرک و تثلیث سے جو نفور ہے اس کا اعلان دو ٹوک انداز میں کر دیا۔

تبلیغی خطوط میں آنحضور صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کا ایک جملہ " اسلم تسلم " کئی بار استعمال ہوا ہے (۲۲) جو روح بلاغت اور جان فصاحت ہے۔ کس قدر مختصر اور کتنا جامع۔ امر اور جواب امر کے ان دو صیغوں کا لطف اہل ذوق سے مخفی نہیں۔ پھر "س ل م" سے ان دونوں کے اشتقاق میں حسن تجانس کی جو کیفیت اور جو صوتی حسن پایا جاتا ہے۔ وہ سونے پر سہاگہ ہے۔ دو لفظ کے اس مختصر سے جملہ پر آیہ قرآنی "ان تعودوا نعد" (۲۳) کا جلال و جمال عکس افگن ہے۔ غالب نے کیا خوب کہا ہے:

حق جلوہ گر ز طرز بیان محمد است
آری کلام حق بزبان محمد است
آئینہ دار پر تو مہر است ماھتاب
شان حق آشکار زشان محمد است

اپنی معروضات ختم کرنے سے پیشتر خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ' کی مہر مبارک کا تذکرہ ضروری سمجھتا ہوں جو آپ کے مکاتیب کے محاسن معنوی میں مسک الختام کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس مہر میں نیچے نام نامی "محمد" اس کے اوپر منصب گرامی "رسول" اور سب سے اوپر اسم جلالت "اللہ" یہ ترتیب کتنی با معنی ہے اور حدیث پاک "ادبنی ربی فاحسن تادیبی"۔ "میرے رب نے مجھے ادب سکھایا اور کمال خوبی سے سکھایا" کی کیسی منہ بولتی تصویر ہے۔

مکاتیب نبوی علیٰ صاحبہا الصلوۃ والسلام کے ادبی محاسن کا یہ سرسری سا جائزہ کسی طرح اپنے موضوع کا حق ادا نہیں کرتا تاہم آج کی نشست میں اپنے حصے کے وقت کا خیال رکھتے ہوئے مجھے ۔ تشنگی کے احساس کے باوجود ـــــ اسی پر اکتفا کرنا ہے :

ورق تمام ہوا اور مدح باقی ہے
سفینہ چاہئے اس بحر بے کراں کے لئے

حواشی اور حوالہ جات

۱۔ قرآن مجید، ۲/ ۲۳

۲۔ ایضاً، ۲/ ۲۴

۳۔ الباقلانی، ابوبکر، محمد بن الطیب، اعجاز القرآن، تحقیق السید احمد صقر، دارالمعارف، مصر، الطبعۃ الرابعہ، ۱۹۷۷ء ع، ص ۳۰۳

۴۔ المبرد، ابو العباس، محمد بن یزید، الکامل، سہ تحقیق محمد احمد الدالی، بیروت، الطبعۃ الاولی، ۱۴۰۶ھ / ۱۹۸۶ء جلد اول، ص ۴۸

۵۔ لفظ "بیدہ" کے لغت میں تین مفہوم بتائے گئے ہیں:

"غیر" "علی" اور "من اجل"

اس حدیث میں پہلے مفہوم کو کھپاتے ہوئے بعض کتب بلاغت میں اسے تاکید المدح بما یشبہ الذم کی ایک مثال تصور کیا گیا ہے (مثلاً دیکھئے، علی الجارم ومصطفیٰ امین، البلاغۃ الواضحۃ، للمدارس الثانویۃ، دارالمعارف، مصر ۱۳۷۰ھ/۱۹۵۱ء، ص ۲۹۲) تاہم میرے ذاتی ذوق کے مطابق تیسرا مفہوم اس سیاق میں مناسب ترین معلوم ہوتا ہے اور اسی کے مطابق ترجمہ کیا گیا ہے۔ زبیدی نے یہ مفہوم ابن ہشام کے حوالے سے درج کرکے لکھا ہے کہ ابن ہشام نے اس مفہوم کی مثال کے طور پر یہی حدیث نقل کی (دیکھئے تاج العروس "بید")

۶۔ الجاحظ، ابو عثمان، عمرو بن بحر، البیان والتبیین، تحقیق فوزی عطوی، بیروت، ۱۹۶۸ء، ص ۲۲۰۔

۷۔ محمد حمیداللہ ڈاکٹر، رسول اکرم کی سیاسی زندگی، دارالاشاعت مقابل مولوی مسافر خانہ، کراچی، جنوری ۱۹۸۰ء، ص ۱۲۳۔

۸۔ رسالہ "نقوش"، رسول نمبر، ادارہ فروغ اردو، لاہور، شمارہ ۱۳۰۔ دسمبر ۱۹۸۲ء، جلد دوم، ص ۲۰۹

۹۔ مولانا سید محبوب رضوی، مکتوبات نبوی (علیٰ صاحبہا الصلوۃ والسلام)، ادارہ اسلامیات، لاہور، اشاعت اول، مئی ۱۹۷۸ء، ص ۴۰۔

۱۰۔ دیکھئے، رسولؐ اکرم کی سیاسی زندگی، ص ۱۴۲، ۱۴۴، ۱۵۷، ۱۵۹، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۷۶،

"رسالۃ النبی الکریم الی ہرقل ملک الروم" لسمیۃ الجبری، مع انگریزی ترجمہ، رسالہ:

۱۱۔ احمد ذکی صفوت، جمہرۃ رسائل العرب .... المکتبۃ العلمیۃ، بیروت، ۱۳۵۲ھ/۱۹۳۷ء، جلد اول، ص ۶۶-۶۷۔

۱۲۔ البیان والتبیین، ص ۲۲۱۔

۱۳۔ قرآن مجید، ۳۸/ ۸۶۔

۱۴۔ جمہرۃ رسائل العرب' ص ۶۸ ۔

۱۵۔ حوالہ سابقہ ۔ واضح رہے کہ اس نامہ مبارک کے بیشتر الفاظ قرآن مجید ' ۴۷/۲۰ ' اور ۱۲۷/۷ سے ماخوذ ہیں ۔

۱۶۔ جمہرۃ رسائل العرب ' ص ۳۱ ۔ ۳۲ ۔

۱۷۔ ایضاً ' ص ۳۳ ۔

۱۸۔ ایضاً ' ص ۳۴ ۔

۱۹۔ ابن الاثیر' ضیاء الدین' نصر اللہ بن محمد' المثل السائر فی ادب الکاتب و الشاعر' المطبعۃ البہیۃ' مصر' ۱۳۱۲ھ ' ص ۶۳ ۔

۲۰۔ حوالہ سابقہ ۔

۲۱۔ جمہرۃ رسائل العرب' ص ۴۱

۲۲۔ دیکھئے مکتوب بنام ہرقل' کسریٰ' مقوقس' ہوذہ بن علی' جمہرۃ رسائل العرب' ۳۸'۴۰'۴۲'۴۸ مکتوب بنام جیفر اور عبد (ص۵۰) میں بصیغہ تثنیہ "اسلما تسلما" آیا ہے۔

۲۳۔ قرآن مجید' ۸ / ۱۹ ۔